ڈاکٹر عبدالودود قریشی
(ستارۂ امتیاز)

اُسلوب: فنی اصطلاح یا شخصی عکس

For the best level of understanding of the style, it is important to know the definitions produced by the writers. Without reading them it is hard to get the view about the peculiar style of the writers. The poet can be recognized in Urdu literature but he cannot be judged by is prose.

The style mirrors the knowledge, usage of proper diction of poetry and prose. The observation and the proper view of different aspects can be estimated under the mask of his mastery of his style. What's so ever a poet and prose writer wants to convey.

اُسلوب ''STYLE'' مصنف کی انفرادی خصوصیت کی بدولت خیالات و جذبات کے اظہار اور طرز تحریر سے عیاں ہوتا ہے جو اس کی انفرادی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ مصنف کا علم، مشاہدہ، تجربہ، کردار، فلسفہ حیات جیسے عوامل مل کر مصنف کی انفرادیت کی تشکیل کرتے ہیں جس سے اس کا اُسلوب سامنے آتا ہے جو اسی کا پرتو ہوتا ہے۔ اس سے اس کی ذات کو بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ ادب کی اس صنف میں شعر و شاعری تو بآسانی اپنا الگ اُسلوب نمایاں واضح کر دیتی ہے مگر نثر میں انفرادیت دشوار ہوتی ہے ایک خاص انداز میں لکھی گئی نثر پر نقالی کا اندیشہ رہتا ہے۔ اسلوب میں بنیادی اہمیت الفاظ کے انتخاب اور ترتیب کو حاصل ہے جو ہر شخص کا اپنا الگ خاصہ ہوتا ہے۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی کا کہنا ہے کہ:

> بے جان اشیاء کو انسان بنا کر پیش کرنا یعنی تمثیل صنف نہیں اُسلوب ہے۔[1]

اُسلوب ادیب کی اپنی انفرادیت ہوتی ہے جسے آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ الفاظ کے انتخاب، اس کی ترتیب، قائدے اور کلیے کا یہ کمال ہوتا ہے کہ شاعری یا نثر پڑھنے کے بعد بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ یہ علامہ اقبال، میر تقی میر، غالب، حافظ یا سعدی کا کلام ہے۔ یہ خاصیت موسیقی میں بھی اپنا مخصوص انداز رکھتی ہے۔

> برصغیر کی موسیقی میں ایک مخصوص اور اہم اصطلاح خیال باندھنا یا گانے سے مراد اصوات کا ایسا نظام ترتیب دینا ہے جو فوری طور پر سماں باندھ دے اور فضا تاثرات کی ہم آہنگی کو ظاہر کر دے۔[2]

تحریر اور تقریر الفاظ کی ترتیب انسان کی شخصیت، رجحان اور ذہنیت کی آئینہ دار ہوتی ہے جب ہم اپنا خیال یا مدعا بیان کرنا چاہیں تو اس کے لئے نئی نئی تراکیب اور اسالیب بناتے ہیں۔ کئی تشبیہ و استعارہ کہیں اعجاز وغیرہ شامل کرتے ہیں جس سے بعض اوقات خیال ثانوی حیثیت اختیار کر جاتا ہے اور صرف لفاظی ہی مقصود ہوتی ہے اسی سے نئی نئی صنفیں ایجاد ہوئیں پر تکلف عبارت میں خیال کی بجائے الفاظ کو اہمیت دی جاتی ہے۔ اسلوب میں دو باتیں اہم ہوتی ہیں خیال اور خیال

کے ساتھ الفاظ کا چناؤ، برتاؤ اصل اسلوب کا پتہ دیتا ہے اس کا تعلق ابلاغ سے بھی ہوتا ہے کہ لکھنے والا کتنی ابلاغی قوت کا حامل ہے۔ مگر نثر کے اسلوب میں بنیادی بات اظہار ہے سلیس اور سادہ زبان زیادہ عمدگی سے اسلوب کا پتہ دیتی ہے۔ نثر کو مرصع اور مقفٰی، مسجع اور نثر عاری میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ فورٹ ولیم کالج نے اردو نثر میں سادگی اور سیدھا پن پیدا کیا۔

اس کا بنیادی مفروضہ یہ ہے کہ ایک لکھے جانے والے بیان یا زبانی پیغام کو کیا چیز آرٹ بناتی ہے یہ مفروضہ اصولی اعتبار سے بہت اہم اور بنیادی ہے کیونکہ تاریخ لکھنے والے زبانوں سے پہلے یونان اور ہندوستان کی زبان اور وہاں کی ادبیات میں شعر و ادب اور فن کیا ہے کے جواب کی جستجو کے مظاہر دکھائی دیتے ہیں۔ یہ مکالمہ ہر زمانے کا مکالمہ رہا ہے اور ہر عہد میں اپنی بساط پر اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔[۳]

اُسلوب داخلی اور خارجی عوامی کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے اسی کے اشتراک سے یہ اپنے عہد کی زندہ تصویر ہوتی ہے جو فرد کا انفرادی امتزاج ہوتا ہے۔ اسلوب میں تبدیلی بھی آتی ہے مگر یہ انتہائی سست روی سے انجام پاتی ہے جیسے ہی ضرورتیں بدلتی ہیں نئے الفاظ، علم اور شعور آتا ہے۔ مگر اسلوب کی تبدیلی کے عمل سے مصنف، ادیب فن کے دائروں سے خارج نہیں ہوتا اس کی تخلیقات میں اس کی شخصیت جھلکتی رہتی ہے۔ اعلیٰ ادبی نثر اپنا منفرد اسلوب رکھتی ہے مگر غیر ادبی نثر بھی سلیقے کے ساتھ ہی اچھی لگی ہے۔ ایک فرد کا اسلوب اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب فکروں اور عبارتوں کا تناسب لفظی اور معنوی اعتبار میں وہی ترکیب رکھتا ہو جو صاحب فن کا اسلوب ہے۔ اسی سے اس کی شناخت ہوتی ہے ایک خاص انداز بیان ہی مقصدیت کو آگے بڑھاتا ہے۔

کوئی نثر جسے ادبی ہونے کا دعویٰ جذبے کی آمیزش سے خالی نہیں ہوسکتی اعلیٰ درجے کی ادبی نثر میں منطق کی کامیاب گرفت کے ساتھ ساتھ جذبے کی زبان بھی نہایت خوبصورت رنگ آمیزیاں کرتی دکھائی دیتی ہیں۔[۴]

درحقیقت الفاظ کی صورت میں ظاہر ہونے والا ادب مصنف کے اسلوب اور شخصیت کا عکس ہوتا ہے جو مصنف کا جذباتی، خارجی، اور ذہنی روپ ہوتا ہے۔ مصنف کی پوری تصویر اس کے نفس اور باطن سے پروان چڑھتے ہوئے اسلوب میں ڈھل جاتی ہے۔ مصنف ہر بات، ہر خیال کو اپنے انداز میں کئی اصناف میں بیان کرتا چلا جاتا ہے مگر وہ اپنے اسلوب سے پہچانا جاتا ہے۔

اسالیب نثر اردو کے ارتقاء میں غالب کا حصہ سب سے اہم ہے اور ریاضی کے حساب کے مطابق غالب ستر فیصد اسالیب کا موجد و امام ہے بقیہ تیس فیصدی میں تمام دوسرے مجتہد فنکار شامل ہیں اور مزید یہ کہ اردو اسالیب نثر کی تعریف اور روایت میں غالب کو وہی مقام حاصل ہے جو سقراط کو استادی میں، ارسطو کو تنقید میں، فردوسی کو مثنوی میں اور شیکسپیئر کو ڈرامے میں حاصل ہے۔[۵]

کسی مصنف کے اُسلوب کے بارے میں کہ وہ اس کی ہر تحریر میں اس طرح جھلکتا ہے ٹینی سن اس امر پر زور دیتے ہیں۔ قابل توجہ بات یہ نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں بلکہ یہ ہم کس طرح کہہ رہے ہیں۔

اُسلوب کسی ادیب کا کوٹ نہیں کہ جب چاہا اتار دیا جب چاہا پہن لیا یہ انسان کی جلد سے مشابہ ہے اسلوب طرز فکر اور پیرائے

بیان کے امتزاج کا نام ہے اسلوب کے لئے فکر کی انفرادیت ثانوی چیز ہے فکر و بیان کی انفرادیت جب تحریر کو مخصوص سانچے میں ڈھال دیتی ہے تو اُسلوب پیدا ہوتا ہے اُسلوب سے مصنف کی شخصیت جھلکتی ہے۔[۶]

درحقیقت اُسلوب ایسا انداز بیاں ہے جو موضوع، مضمون، ادب یا شاعری کو فن میں تبدیل کر دیتا ہے۔ فنکار کا اظہار بیان سے واقف ہونا اس کی تحریر کو دو چند کر دیتا ہے مگر فنکار کا انشاء پرداز ہونا ضروری ہے بات جتنی ہی جاذب اور دلچسپ ہو اس میں ترتیب اور الفاظ کتنے ہی خوبصورت ہوں مگر مناسب زبان استعمال نہ کی گئی ہو تو تحریر میں دلکشی پیدا نہیں ہو سکتی۔

اسلوب ایک وسیلہ ہے جو موضوع یا مضمون کو فن میں تبدیل کرتا ہے اس لئے فنکار کا طریقہ اظہار یا پیرایہ بیان سے واقف ہونا ضروری ہے۔[۷]

اُسلوب کی تاریخ اور تعریف کا اگر جائزہ لینے نکلیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اسلوب تحریر کے حسن کو بھی کہتے ہیں اور اس کا سلیقہ اردو نثر نگاروں نے انگریزی مضمون نگاروں سے لیا اور اردو نثر کے ساتھ ہی اس کا آغاز بھی ہو گیا تھا۔ ہر مصنف نے اپنا الگ مزاج اپنی تحریروں میں سمویا، اسے اپنے اظہار کا ذریعہ بنایا۔ شروع میں چونکہ نثر زیادہ نہیں لکھی جاتی تھی اور جو لکھی جاتی تھی اس کے لئے بھی افراد کی اتنی زیادہ تعداد نہ تھی، تحریر مصنف کے حوالے سے اس کی شناخت بنتی گئی ۱۸۵۷ء میں برطانیہ سے واپسی کے بعد سر سید احمد خان نے ایک خاص انداز میں مضمون نگاری شروع کی ان کے زیر اثر ایک فعال ٹیم بھی تیار ہوئی جنھوں نے اردو نثر کے اسلوب میں گنگا جمنی رنگ پیدا کیا مگر ہر مصنف کا اپنا اسلوب تھا۔ منفرد طرز تحریر اور اسلوب نثر نگاری کے لئے تحریک بھی ثابت ہوا اور نصف صدی سے زائد تک قلم کاروں کا دائرہ پھیلتا چلا گیا جو نہ صرف اپنی مثال آپ تھا بلکہ ان تحریروں میں ہر اسلوب جدا اور انفرادیت کا حامل تھا۔ اردو انشاء پردازی عوامی سطح پر صحافت سے شروع ہوئی جو انیسویں صدی کی تیسری دھائی میں زیادہ اہمیت کی حامل ہوئی۔ انیسویں صدی کے اختتام میں کئی مجلّے نظر آتے ہیں جنھوں نے سنجیدہ فکر کے فروغ میں اپنا نمایاں اور اہم کردار ادا کیا۔ اس عہد کی بیشتر شخصیات کا طرز تحریر اور اسلوب آج بھی جدا اور منفرد نظر آتا ہے۔ انسانی زندگی جذبات سے عبارت ہوتی ہے اور بہت بڑی نعمت شمار کیا جاتا ہے جس کے ذریعے انسان اپنے تاثرات کا اظہار کرتا ہے خوشی، غم آہ و فغاں بھی ہر ایک فرد گروہ کے یکساں نہیں ہوتے بلکہ ان میں بھی ایک اسلوب پایا جاتا ہے۔ ہر تحریر ایک مجسمے کی مانند ساکت و جامد نہیں ہوتی اس کا ایک اپنا اُسلوب ہوتا ہے۔ بعض لوگ کچھ کلام کرتے ہیں مگر مجمع پر کوئی اثر نہیں ہوتا مگر جوش خطابت سے لبریز شخص جب ایک خاص اسلوب میں خطابت کرتا ہے تو مجمع جھوم اٹھتا ہے یا طیش میں آجاتا ہے۔ اسلوب کو ایک ہتھیار سے بھی تشبیہ دی جاسکتی ہے کسی کا یہ ہتھیار کند ہوتا ہے اور کسی کا تیز جس کے ذریعے قارئین مصنف کے ہمنوا بنتے چلے جاتے ہیں۔ اسلوب کے ذریعے ہی قلوب کو مصنف مسخر کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک خاص اسلوب میں جو بات لوگوں کے دلوں کو بھائے وہ اس کو پذیرائی بخشتے چلے جاتے ہیں۔ جب ایک مصنف اپنے اسلوب کو پیش نظر رکھ کر لفظوں سے کھیلتا ہے تو قاری تحریر کی رو میں سیل رواں کی طرح تیرتا چلا جاتا ہے۔ اُسلوب کی بدولت لوگ دنیا کے حقیقی واقعات کو بھول کر ناولوں، افسانوں کے سحر میں گم ہو جاتے ہیں وہ اس سے اپنا

ہی مزہ لیتے ہیں۔خوبصورت سے خوبصورت الفاظ اگر صرفی اور نحوی قاعدے کے مطابق ایک خاص انداز میں پرونے کو جب کوئی اپنا وطیرہ بنالیتا ہے تو وہی اس کا اسلوب بن جاتا ہے۔اس کی تصویر کشی اسی کا فن ہوتا ہے۔تخیل کو جب وہ یکسوئی کے ساتھ پیش کرتا ہے تو قاری کے ذہن میں منتشر خیالات اس طرح یکجا ہوجاتے ہیں جیسے لکھنے والے نے اس کے جذبات کی عکاسی کی ہے اس کے دل کی بات کا اظہار کیا ہے۔اس سے پیدا ہونے والا ربط قاری محسوس کرتا چلا جاتا ہے جیسے اس میں اسی ایک بات کی کمی تھی جسے مصنف نے پورا کیا۔خیالات کی منطقی ترتیب تحریر کے حسن میں اضافہ کرتی چلی جاتی ہے جیسے مصنف قاری سے خوشگوار موڈ میں گفتگو کرتا چلا جارہا ہو اور اس گفتگو سے اس کا ذہن بیدار ہوتا چلا جارہا ہو۔تخیل سے کام لیکر تخلیق کا ایک خاص انداز میں پیدا کرنا ہی اُسلوب ہے اور وہی اسلوب مصنف کی پہچان بن جاتا ہے۔اگر چہ ہر تخلیق قاری کے لئے ہوتی ہے اور تخلیق کار اپنی تخلیق کسی ایک ذہن کو سامنے رکھ کر نہیں لکھ رہا ہوتا بلکہ وہ لفظوں کو اس طریقے سے اور اس اسلوب سے پروتا ہے کہ ہر ذہن اسے قبول کرتا جائے محسوس کرتا جائے اور مسرور ہوتا جائے۔کسی بھی تخلیق کار کا اسلوب جب مقبول ہوتا ہے تو یہی تخلیق کار کا انعام بھی ہوتا ہے۔خیال جتنا اعلیٰ ہوگا اسلوب پر جتنی گرفت ہوگی تخلیق بھی اتنی ہی اعلیٰ اور ارفع ہوگی۔

> اعلیٰ درجے کی ادبی نثر میں منطق کی کامیاب گرفت کے ساتھ جذبے کی زبان بھی نہایت خوبصورت رنگ آمیزیاں کرتی دکھائی دیتی ہیں انہی عناصر کا جائزہ اوران کی دریافت دراصل ادبی نثر کی تنقیدی میدان کا پہلا قدم ہے۔[۸]

لسانیات چونکہ ایک سائنس بھی ہے اور وہ بھی سماجی سائنس اس لئے اسلوبیات اُسلوب کے مسئلے پر معروضی بحث کرتی ہے۔اس کا تصور یہ ہے کہ کوئی خیال، جذبہ، تصور یا احساس کوئی مصنف کس طرح اپنی زبان میں بیان کرسکتا ہے۔ پیرائیہ بیان اس کا اختیار ہوتا ہے اور وہ اپنے پیرائے کو اپنے انداز میں اختیار کرنے میں مکمل آزاد ہوتا ہے۔انسانوں میں بیان کی آزادی، شعوری اور غیر شعوری دونوں طرح سے ہوتی ہے جس میں علم و تجربہ کارفرما ہوتا ہے۔مصنف کا اپنا اختیار کردہ یا منتخب کردہ طرز تحریر دراصل اسی کا اسلوب ہوتا ہے۔وقت کے ساتھ ضروریات بدلتی ہیں ادیب کا اسلوب بھی بدل سکتا ہے مگر ایسا نہیں ہوتا کہ اسلوب کے بدل جانے سے فنکار، شاعر، ادیب اپنے فن کے دائرے سے باہر ہوجائے اس کے فن کی تخلیق سے اس کی شخصیت ہمیشہ جھلکتی رہتی ہے اور اسی سے اس کی جداگانہ شناخت ابھر کر سامنے آتی ہے۔جس میں وہ تراکیب کی ترتیب اور آہنگ کو غیر شعوری طور پر اسی طرح رکھتا ہے جو اس کا اپنا اُسلوب ہوتا ہے۔غیر ادبی نثر کے لئے بھی سلیقہ بڑا اہم ہوتا ہے اس میں بھی اسلوب جھانکتا نظر آتا ہے۔اُسلوب دراصل کوئی بے جان چیز نہیں ہوتی ایک اسلوب کی تحریر میں پڑھنے والا قاری اس تحریر میں اپنے لئے کشش محسوس کرتا ہے جس میں خیال اور الفاظ کا حسین امتزاج ہوتا ہے اور تحریر میں نقش سے نقش ابھرتا چلا جاتا ہے۔اسلوب میں روانگی، سادگی، شگفتگی اور بے تکلفی ہی اسے مقبول بناتی ہے۔صاحب اسلوب ادیب دراصل بڑے علمی، فکری، اور انشائی کمال سے مزین ہوتا ہے وہ علم وحکمت کے موتی تاریخ کے دامن سے اٹھا کر اپنے الفاظ کی صورت میں پروتا جاتا ہے یہ سینا پرونا اسی کا ہی وصف ہوتا ہے۔اسلوب تذکرہ نگاری،

ادبی تحقیق اور تاریخ سبھی میں اپنا الگ رنگ دکھاتا ہے جب ایک صاحب اسلوب ادیب ادبی تحقیق لکھے، تذکرہ نگاری لکھے، یا تاریخ نگاری کرے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلوب کس صاحب طرز اور صاحب اسلوب کا ہے۔ انشاء پرداز کا حقیقی سرمایہ اس کا اسلوب ہی سمجھا جاتا ہے۔ تحریر کی جان اسلوب ہی ہوتا ہے اور یہ خود ساختہ ہوتا ہے۔ بہترین اسلوب مختصر اور جامع ہونے کے علاوہ تعصب سے آلودہ نہ ہونا بھی ہے۔ مصنف اپنے اسلوب، تخیل اور ذہانت کے زور پر اپنا اسلوب پیدا کرتا ہے۔ وہ منتشر خیالات کو اپنے ہی انداز میں متشکل کر کے پیش کرتا ہے۔ اس کو انسانی خصوصیات سے آراستہ کر کے دکھاتا ہے۔ دراصل اسلوب تحریر کی وہ روح ہے جو اپنی قوت حیات کی شدت کو اجاگر بھی کرتی ہے اور منوا کر بھی رہتی ہے۔

اُسلوب دراصل کسی مصنف یا ادیب کا انداز تحریر ہے جس سے وہ تحریر یا تحریر سے ادیب اور مصنف پہنچانا جاتا ہے۔ اس کی تحریر میں اس کی ادبی شان جلوہ گر ہوتی ہے اکثر ناولوں کو دلکش بنانے میں ادبی طرز و اسلوب کا نمایاں ہاتھ ہوتا ہے۔ اگر کسی چونکا دینے والے واقع میں بھی الفاظ کی جادوگری نہ ہو تو قارئین اور سامعین اس پر توجہ نہیں دیتے۔ درحقیقت اسلوب جہاں فنی اصطلاح ہے وہاں شخصی عکس ہوتا ہے۔ مدتیں گزر گئیں مگر غالب، میر، علامہ اقبال اور دیگر لوگوں کا اُسلوب آج بھی لوگ بخوبی جانتے اور پہچانتے ہیں اس میں ان کا فنی کمال بھی ہے اور شخصی عکس بھی۔

اُسلوب کے حوالے سے کئی مباحث سامنے آئے جن میں جملوں، لفظوں اور لُغوی حوالے سے بحث کی گئی مگر صرفی و نحوی حوالے سے یا لسانی حوالے سے بحث نہیں کی گئی۔ اُردو میں اسلوبیاتی انتخاب اہمیت کا حامل ہے۔ جب دو، تین یا چار متبادل لفظ موجود ہوں تو ان میں سے ایک کا انتخاب جب صرفی نحوی اور صوتی سطح پر بھی مکمل ہو تو ایک اسلوب بنتا چلا جاتا ہے۔ ہم معنی الفاظ کا فرق اسلوبیاتی فرق کی صورت سامنے آتا ہے کہ ادیب کسی لفظ کا انتخاب کیسے کرتا ہے۔ جیسے قمیص / قمیض، بادشاہ / پادشاہ، تریاق / تریاک، آیئے / آئیں، فرمایئے / فرمائیں، آزمودہ / آزمایا ہوا، آمد / تشریف آوری، تک / تلک علاوہ ازیں محاورات کا استعمال اور انتخاب بھی الگ اسلوب کی نشاندہی کرتا ہے۔ اسلوب کے حوالے سے ایک تعریف یوں بھی کی جاتی ہے کہ اظہار کا پیرا جو عام اظہار کے پیرا سے مختلف ہو یا اسکے بالکل برعکس اور غیر معمولی ہو، اس میں زبان کے طے شدہ اصول، قاعدہ یا اُس سے انحراف ہی مراد لی جائے گی۔ مگر اصول زبان میں انحراف کی صورت سے مراد زبان کے مروجہ بے قاعدہ قواعد اور صرفی نحوی قواعد سے انحراف مراد نہیں، نہ بے قاعد اور بگڑی زباں مراد ہے۔ بلکہ اس سے مراد جدت و تنوع، نئی اختراع یا اظہار کا نیا انداز ہے جو اسے جدا یا مہمیز کر دے۔ مگر اُس کے ابلاغ اور پہنچنے میں دشواری پیدا نہ کرے۔ اسی سے ایک جداگانہ اسلوب معرض وجود میں آتا ہے۔ اگر اسکا پہنچنا یا ترسیل مشکل ہو جائے تو پھر وہ انداز تحریر خود بخود مر جائے گی اور اسکی داستان تک نہ ہوگی۔ شاعری ایک خاص اسلوب ہے۔ جس میں شاعروں نے انحراف سے زیادہ کام لیا ہے۔ بعض محقق تو ایسے انحرافات کو خرافات سے منسوب کرتے ہیں۔ نثری نظم میں انحراف کے مواقع زیادہ پائے جاتے ہیں جبکہ نثر میں اس کے مواقع کم پائے جاتے ہیں۔ اُس میں الفاظ کا انتخاب ایک خاص اسلوب

کی نشاندہی کرتا ہے۔بعض اوقات تو اسلوب کی خاطر تخیل آفرینی کی جستجو قواعد کی خلاف ورزی اور انحراف ابہام کی صورت سامنے آتی ہے اور وہ ایک مہمل گوئی بن جاتی ہے جیسے غالبؔ نے سوچ کی جگہ سونچ استعمال کیا ہے۔

فائدہ کیا سونچ آخر تو دانا ہے اسدؔ
دوستی نادان کی ہے، جی کا زیاں ہو جائے گا

اسی طرح دور کی بجائے پرے کا استعمال:

ہے پرے سرحد ادراک سے اپنا مسجود
قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں

اسی طرح بند ہوگئیں کی جگہ مند گئیں کا استعمال کیا ہے:

مند گئیں کھولتے ہی کھولتے آنکھیں غالبؔ
یار لائے مری بالیں پہ اسے کس وقت

ان انحرافات پر مدتوں سے بحث جاری ہے اور غالبؔ کے ان اشعار کو بطور ثبوت دھرایا بھی جاتا ہے۔اسی طرح فیض احمد فیضؔ، جوشؔ ملیح آبادی، احمد فرازؔ کے اشعار بھی پیش کئے جاتے ہیں جو انکے اسلوب کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ انحراف انکا اپنا ذاتی کہلاتا ہے۔مگر نثر کا معاملہ منفرد ہے۔اس میں اسلوب کی خاطر انحراف فن پارے کی شکل بگاڑ کر رکھ دیتا ہے۔نثر میں لفظوں کے رشتوں اور معانی کے سلسلوں کا قائم رہنا ضروری ہوتا ہے۔نئی دریافت میں معانی سے انحراف ممکن نہیں ہوتا اور نہ کلام وقواعد کے دائروں کی حدود کو توڑا جاسکتا ہے۔ادب کا مقصد ابلاغ ہے اور ابلاغ کو مشکل بنانا اُسلوب نہیں ہے۔ اسلوب تو حسن پیدا کرتا ہے۔جیسے مصنف وہ ہے جس کے پاس تحریر کیلئے کچھ نہ ہو مگر وہ ایک خوبصورت فن پارہ تحریر کردے جو لوگوں کے دلوں میں اُتر جائے۔فکر سے دشمنی علم اور انسانیت سے دشمنی ہے۔اسی میں انسان کی ترقی کا راز ہے۔علم و ادب کی ترقی کا بھی راز ہے اور اس میں نئے اُسلوب کا بڑا عمل دخل ہے ورنہ یکساں تحریریں ادب کو ناکارہ اور بور بنادیں۔ اسلوب دراصل ادبی تخلیقات سے قاری کے تعلق کو بحال کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔جس سے زندگی کا ادب سے رابطہ استوار ہوتا ہے۔ادب سرمایہ دانش ہوا کرتا تھا جسے نئے اسلوب کے ساتھ تازہ وزندہ کیا جاسکتا ہے۔جس طرح نسیم حجازی نے ایک نئے اسلوب سے ناولوں کی صورت نوجوانوں کو تاریخی واقعات کی طرف راغب کیا۔تخلیقی عمل کے دوران ادیب کے انتخاب الفاظ اور ترتیب بھی اسلوب کو جنم دیتا ہے اور یہ اسلوب ہی کمال فن کی دلیل ہوتا ہے۔حسن محض شکل وصورت سے ہی نہیں پیرا لفظ سے بھی تعلق رکھتا ہے جو صفت مطلق ہے۔ جو مطالب الفاظ اور معانی سے مربوط ہو کر ایک ربط بناتے ہیں۔یہی ربط اسلوب ہے۔جو منفرد ہوتا ہے اور پہچان بھی بنتا ہے۔

عجلت اور سہل پسندی سے کبھی اسلوب پیدا نہیں ہوسکتا۔ پرانے ادب سے تعلق توڑنا بھی نئے اسلوب کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ماضی سے بے خبری ترقی پسندی نہیں ماضی کے ادب میں اصلاح سے انکار رجعت پسندی ہے۔

رعایت لفظی بھی اسلوب پیدا نہیں کرسکتی۔ اُسلوب کے لئے بامعنی ٹھوس الفاظ کا انتخاب ہی انفرادیت پیدا کرتا ہے۔ جامعیت اور ترتیب اس کا حسن ہے۔ سادہ، قابل فہم اور پرکشش اُسلوب ہی مقبول ہوتا ہے۔ جس میں علمی وفکری سطح بھی بلند ہو۔ اُسلوب کی مثال اُس مسافر کی ہے جسے منزل معلوم ہے مگر راستے سمت اور زادراہ کا انتظام اور تعین اُس نے خود کرنا ہے۔ اُسلوب تحریر میں اُسی زادراہ کا نام ہے جسکا تعین محقق نے کرنا ہے۔ اُسلوبی ترتیب متن کو متاثر کرتی ہے اور یہی انفرادیت الگ انداز پیدا کرتی ہے مگر متن کو متاثر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ مضمون کی روح مجروح ہوجائے بلکہ اُس میں مزید جاذبیت اور انفرادیت پیدا کرنا ہوتا ہے۔ متن کیا کہہ رہا ہے اور کیا بتا رہا ہے میں ہم آہنگی اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس میں مضمرات نہ ہوں۔ بات صاف اور سادہ ہو۔ سیاق وسباق کیلئے تگ ودو نہ کرنی پڑے۔ اسی سے انفرادی اسلوب کا فن پارہ وجود میں آتا ہے جس سے مصنف کو الگ شناخت اور پہنچان ملتی ہے۔ اعلیٰ درجے کے مضمون میں یہ اسلوبی خوبی ہوتی ہے کہ ایک مضمون میں استعمال کئے گئے الفاظ کے کئی معانی ہوں اور تحریر بھی کثرت معانی کا موجب ہوجائے مگر جو بات محقق پہنچانا چاہتا ہے قاری اُس کا ادراک اور فہم تو کرلے مگر محدود نہ رہے۔ استعارہ وتشبیہ تحریر کا حسن ہوتا ہے۔ اُس کا استعمال بھی اُسلوب کو منفرد بناتا ہے۔ زیادہ معنی کے حامل الفاظ ابہام پیدا کرتے ہیں۔ مگر لفظی توسیع بھی انفرادیت اور اُسلوب کا ذریعہ ہے۔ گو اُسلوب انگریزی تہذیب کی ہی مرہون منت ہے مگر اُردو زبان میں اسکی صورت گری میں ہمارے ادیبوں کا بڑا حصہ ہے جو انگریزی اُسلوب نگاری سے اسے منفرد کرتا ہے۔ اُردو ادب کے شُعراء نے تو اس حوالے سے کمال کردیا۔ غالبؔ، میرؔ، علامہ اقبالؔ کا شعر سامنے آتے ہی شاعر کا نام زبان پر آجاتا ہے۔ یہ اُسلوب کی بڑی صفت ہے جسے انسانی اقدار اور تہذیب کی ایک سمت یا روایت نہیں ہوتی بلکہ ہر ایک کی الگ سمت، ارتقاء اور اُس میں ترقی وجدیدیت ہوتی ہے تہذیب ایک دور سے اقتصاب کرتی ہیں۔ اس طرح اسلوب بھی ایک زبان میں دوسری زبان سے فیض حاصل کرتا ہے۔ اُردو ادب میں بھی اسکا شعور موجود ہے۔ اُردو کے ادیب کو اسکی آگاہی ہے۔ مشرقی روایات مغربی روایات اور اُسلوب سے زیادہ بہتر اور مضبوط ہیں اور ایک صاحب اُسلوب ادیب کی تحریر کو دوسرا صاحب اُسلوب کی تحریر سے گڈمڈ نہیں کیا جاسکتا۔ اسکی انفرادیت ہر حال میں منفرد ہی نظر آتی ہے۔ الفاظ کے معانی اور منشائے مصنف کا جو تال میل اُردو ادب میں صاحب اُسلوب استعمال کرتے ہیں وہ کسی اور زبان میں ملنا ممکن نہیں۔ اُسلوب کا زیادہ تر تعلق شاعری کی صنف سے ہے اور تمام بڑے شاعر منفرد اُسلوب کے خالق ہوئے ہیں۔ غالبؔ، میرؔ، اقبالؔ، جوشؔ، فیض احمد فیضؔ، حبیب جالبؔ اپنا الگ اُسلوب اور انداز بیاں رکھتے ہیں۔ اُردو ادب میں منظوم کلام کی دو اقسام ہیں غزل اور نظم۔ جبکہ مغرب میں غزل کی روایت سرے سے موجود ہی نہیں۔ جبکہ اُردو کے علاوہ فارسی میں بھی یہ اسلوب ہے۔ غزل میں قافیے کی پابندی بھی اُسلوب پیدا کرتی ہے جو غزل کو نظم سے جدا کرتی ہے۔ نظم کے اُسلوب میں پیچیدگی نہیں ہے اور نہ اتنی آزادی جو نظم کے اُسلوب میں میسر ہے۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ نظم کا اُسلوب غزل کے اُسلوب سے بہتر ہے۔ شاعری میں مخصوص اُسلوب کے مختلف نام بھی تحریر ہوئے جیسے ادب لطیف، شاعرانہ نثر، شعری منثور، انشائے لطیف، ادبی شاہ پارہ،

ادب کثیف مگر ایک بات واضح ہے نثر شاعری نہیں اور شاعری نثر نہیں ہوسکتی۔ یہ دو الگ الگ اصناف ادب ہیں جنکی پہچان واضع اور صاف ہے۔ داستان گوئی، افسانہ، ناول، آپ بیتی، سوانح نگاری، سفرنامہ بھی الگ الگ اُسلوب کے حامل ہوتے ہیں۔ مگر ان تمام اصناف کو غیر ملکی تنقیدی و تہذیبی پیمانوں پر پرکھنا یا اُسلوبی موازنہ درست نہیں۔ اور اگر کوئی اس کا موازنہ کرنے کا ٹھان لے تو اُردو ادب کو بدیسی ادب سے بہتر پائے گا۔

اُسلوب دراصل تحریر کے مجموعی افرادی تاثر کا نام ہے۔ مگر ایک مصنف کا اُسلوب وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا بھی رہتا ہے۔ یہ مجرد الفاظ کا نام نہیں سنگ تراش کا بھی ایک اُسلوب ہوتا ہے۔ مُصور کا بھی اور ایک پینٹنگ کسی صاحب اسلوب کی اگر کہیں آویزاں ہوں تو، صاف معلوم ہوجاتی ہے کہ یہ فن پارہ فلاں مصور کا ہے۔ جیسے صادقین کے فن پارے دور سے اپنی پہچان رکھتے ہیں۔

تحریری اُسلوب میں واقعات، مشاہدات، تجربات ایک ہوسکتے ہیں اور اسکے مصنف الگ الگ مگر اُسلوب ایک نہیں ہوسکتا۔ یہ الگ الگ ہوگا۔ اُسلوب انفرادی اور شخصی ہوتا ہے۔ کسی ایک واقع کے الگ الگ مصنفین کا جدا جدا اُسلوب ایک ہی موضوع ہوسکتا ہے۔ مگر فن تحریر کا مزہ الگ الگ ہوگا۔ اسکی وجہ انکے اپنے اپنے تجربات اور مشاہدات ہوتے ہیں اور الفاظ کا چناؤ اپنے اپنے تجربات کی بنیاد پر ہوگا۔ ممکن ہے ایک ہی واقع یا کہانی کی تحریر کرنے والا مصنف الگ الگ تہذیب و تمدن کے اثرات کے زیر اثر ہو۔ اسکا نظریہ، عقیدہ اور اخلاق کا معیار دوسرے سے قطعی مختلف ہو۔ ایک فنکار زندگی میں بعض چیزوں کو قبول کر لیتا ہے اور بعض کو مسترد۔ ممکن ہے دوسرا فنکار ان چیزوں کو اپنا رہا ہو، جسے دوسرا مسترد کر چکا ہے۔ اس سے بھی ایک الگ اور جداگانہ اُسلوب جنم لے گا۔ جدید دور میں میڈیا اور سوشل میڈیا کے اثرات بھی اُسلوب کو متاثر کریں گے۔ کیونکہ ذرائع ابلاغ کی فراوانی انسانی ذہن اور کردار کو متاثر کیے بغیر رہ نہیں سکتی۔ کسی ادیب کی یاداشت، ذخیرہ الفاظ، مشاہدات بھی اُسلوب کا سبب بنتے ہیں۔

الفاظ کے ہیر پھیر یا کورکھ دھندہ سے انشاء پردازی تو وجود میں آسکتی ہے اُسلوب نہیں۔ جمالیاتی اور لسانی حُسن بھی ادیب کے اسلوب کا پرتو ہوتا ہے جس میں زبان و مکان کے اثرات کا بھی عمل دخل ہوتا ہے اور مصنف کے اندر ادب کے چھپے خزانوں کا بھی پتہ دیتا ہے۔ خوبصورت طرز تحریر کو بھی اُسلوب کہا گیا ہے اور فنکار کے فن کے لباس کو بھی۔ جبکہ فنکار کی انفرادی خصوصیت کا نام بھی اُسلوب ہے۔

اُسلوب دو الفاظ کے درمیان فرق کو بھی کہا جاتا ہے۔ جن کا مطلب اور معانی ایک ہوں مگر لسانی تشکیل میں انہیں ایسا برتا گیا ہو کہ وہ ایک دوسرے سے مختلف معانی پیدا کر دیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر مصنف یا فنکار میں اُسلوب ہو یا وہ صاحب اُسلوب ہی ہو اور اگر کوئی صاحب اُسلوب ہے تو اُسلوب خود پتہ دیتا ہے کہ یہ اُسلوب کس کا ہے۔ اُسلوب کی جتنی بھی تعریفیں کی گئی ہیں اُن میں اُسلوب شخصی عکس کے طور پر ہی سامنے آتا ہے۔ کوئی فنی اصطلاح نہیں۔ کیونکہ لفظوں کا الٹ پلٹ جوڑ توڑ اُسلوب نہیں ہوتا۔ یہ ایک خداداد صلاحیت ہوتی ہے جو نسل در نسل بھی تجربات، مشاہدات، جبلت اور اردگرد

کے ماحول سے پیدا ہوتی ہے۔ جو فنکار کو مخصوص دھنک کے راستے پر ڈال دیتی ہے۔ عمومی فرد اُسلوب سے نا آشنا ہوتا ہے اور ایسا مصنف لسانی تشکیلات کے فن سے عاری ہوتا ہے۔ اور زبان میں حسن پیدا نہیں کر سکتا اور نہ انفرادیت۔ آپ اسے واقع نگار تو کہہ سکتے ہیں صاحب اسلوب مصنف نہیں۔ صاحب اسلوب افراد خال خال ہی ہوتے ہیں جنہیں اُسلوبی فن تحریر پر دسترس ہوتی ہے۔ ہر فن تحریر پر دسترس رکھنے والا مصنف صاحب اُسلوب نہیں ہوتا۔ اُسلوب مشق سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس میں شفافیت، معقولیت، اختیار، تجربے، ذاتی مشاہدے اور علم کا بڑا عمل دخل ہوتا ہے جو انفرادی ہی ہوتا ہے۔ شائستہ تحریریں معقولیت کی بنیاد پر ہی علم، تجربہ اور مشاہدے کو شامل کرنے کے بعد ہی اُسلوب کی صورت اختیار کرتی ہیں۔ جس میں معنویت اور قطعیت ہوتی ہے۔ مگر سادہ طرز تحریر سے مراد بے جان اور بے اثر تحریر مراد نہیں بلکہ عام فہم پُرکشش اور پر لُطف الفاظ اور مہاوروں کا چناؤ ہے جس میں مشاہدہ اور تاریخ کی جھلک شامل ہو۔ جسکا مشاہدہ مصنف نے خود کیا ہوتا ہے۔ آجکل بعض افراد بدیشی زبانوں کے الفاظ یا بازاری زبان استعمال کر کے اس خوش فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ کوئی اُسلوب پیدا کر رہے ہیں جو درست نہیں۔ ادب کی زبان اور بازاری زبان میں فرق ہے جس تحریر میں بازاری زبان شامل ہو جائے وہ ادب کی زبان کہلانے کی کیسے مستحق ہو سکتی ہے۔ الہامی یا مذہبی زبان، اخباری زبان، سائنسی زبان، یا علمی (قانونی) زبان تو اپنا وجود رکھتی ہے مگر بازاری زبان کی کوئی اصل نہیں نہ اسکو اُسلوب کے دائرہ میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ زبان کا تعلق نطق سے جسکا ایک قاعدہ ہے بازاری زبان بے قاعدہ ہے جو حالات، جذبات، غم و غصے میں ادا کی جاتی ہے۔

افلاطون نے اپنی کتاب جمہوریہ میں لکھا ہے کہ ''لیکن جو تم تعین کر سکتے ہو کہ کیا چیز خوبصورت ہے اور کیا بدصورت ہے۔ کر سکتے ہو یقیناً خوبصورت ترنم کا اظہار خوبصورت اُسلوب میں ہوتا ہے اور بدصورت کا مختلف اُسلوب میں'' لہٰذا اس میں دو رائے نہیں ہیں کہ اُسلوب ہمیشہ خوبصورت ہی ہوگا۔ بدصورت نہیں۔ ترنم میں جب بے جوڑ، بے ربط الفاظ شامل کیے جائیں تو، ترنم باقی نہیں رہے گا۔ لہٰذا وہ کوئی اُسلوبیاتی چیز نہیں ہوگی بلکہ عامیانہ شے ہوگی۔ جس سے کسی کی بھی پہنچان نہیں ہو سکے گی۔ جس طرح نظم کی پہچان موسیقیت، ترنم، ملائم الفاظ ہیں اِسی طرح نثر کی پہچان سادگی، قطعیت اور مختصر فقرے ہیں۔ سلاست سے اُسلوب میں نکھار آتا ہے۔ اچھے اُسلوب کا مقصد قاری کو متوجہ کرنا اور اُس کو باندھے رکھنا ہے جو کسی بے ربط تحریر، بے ہنگم مجسمے یا بدرنگ پینٹنگ میں ممکن نہیں اور نہ شائقین ان فن پاروں میں دلچسپی لیں گے جن میں جاذبیت نہ ہو۔ اور یہ جاذبیت فنکار کے اندر سے اُٹھنے والے فن کی بدولت ہی پیدا ہو سکتی ہے جس میں اسکا علم، تجربہ اور مہارت شامل ہو۔ جو اسے نسل در نسل اور اپنے ماحول سے ملی ہو۔ جس میں تاریخ اور اسکے بچپن کے واقعات سنی سنائی کہانیوں کے اثرات، والدین کی تربیت شامل ہو۔ جس سے اسکا الگ ذاتی اُسلوب وجود میں اچکا ہوگا جسے وہ منتقل کرے گا جو اسکا اپنا اور ذاتی ہوگا۔ اور وہ اسی کا پرتو کہلائے گا۔ اُسلوب کے دائرے میں تمام اصناف اور ہنر آئیں گے۔ جن میں فن مصوری، سنگ تراشی، مجسمہ سازی وغیرہ: جذبات نگاری، داستان نگاری، کردار نگاری، واقعہ نگاری، منظر کشی، شاعری، افسانہ نگاری کے موضوعات بذات خود اُسلوب نہیں۔ مگر اس میں ایک خاص طرز تحریر اُسلوب کہلائے گا۔

شاعری اور نثر میں اُسلوب اُردو کا ایک سرمایہ ہے جس سے اُردو زبان ادب میں ترقی اور وسعت پیدا ہوئی۔ سادہ الفاظ و اصطلاحات کا استعمال شروع ہوا۔ جس سے تشکیل اُسلوب کے ساتھ اس صنف کی تشخص پر بھی بڑا کام ہوا۔ جس سے تخلیقی عمل کو جلا ملی اور عصر رواں میں شاعری اور نثر میں اُسلوب کا ارتقاء جاری ہے۔ جب اُسلوب کی حقیقت اور تعریف قلم کار پہچان لیتا ہے تو، پھر نقالی سے خود بخود دور ہو جاتا ہے کہ اُسلوب فنکار کا ذاتی عمل ہے کوئی فنکاری نہیں۔

حوالہ جات

۱۔ صدیقی ابوالاعجاز حفیظ ''کشاف تنقیدی اصطلاحات'' اسلام آباد مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۷۵ء، ص ۱۳

۲۔ انور جمال: ''ادبی اصطلاحات'' اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء، ص: ۵۲

۳۔ ریاض صدیقی ''جدید اسلوبیات'' مشمولہ: ''اسالیب نثر پر ایک نظر''، ص: ۸۶۔۸۵

۴۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر ''اشارات تنقید'' لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص: ۲۶۰۔۲۵۹

۵۔ طارق سعید ''اسلوب اور اسلوبیات'' لاہور، نگارشات ٹمپل روڈ لاہور، ۱۹۹۸ء، ص: ۳۸۵۔۳۸۸

۶۔ غلام شبیر، ڈاکٹر: (۱۹۹۹) ''باری علیگ فن اور شخصیت'' مقالہ برائے پی ایچ ڈی، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ص: ۲۹۴

۷۔ ودھاون جگدیش چندر ''منٹو نامہ'' مکتبہ شعر و ادب سمن آباد لاہور، ص: ۳۰۳

۸۔ سید عبداللہ ڈاکٹر، ''اشارات تنقید'' لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء، ص، ۲۶۰